© rasailojaraid.com



# نفاذ شریعت

## عصری مباحث پر ایک نظر

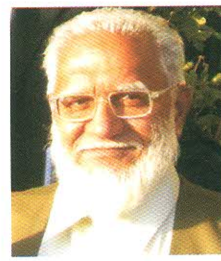

ڈاکٹر محمد خالد مسعود

گذشتہ چند برسوں سے نفاذ شریعت کا موضوع مسلم ممالک کے ساتھ ساتھ بعض غیر مسلم ممالک میں بھی زیر بحث ہے۔ ان عصری مباحث میں بہت سے اہم سوال سامنے آئے ہیں۔ مثلاً شریعت سے کیا مراد ہے؟ کیا فقہ اور شریعت ایک ہی ہیں؟ کیا نفاذ شریعت سے مراد ایک مخصوص فقہی مذہب کا نفاذ ہے؟ کیا نفاذ شریعت کے لئے کسی مدون ضابطہ قانون کی ضرورت ہے؟ کیا نفاذ شریعت ریاست کی ذمہ داری ہے؟ کیا ریاست کو شرعی امور میں قانون سازی کا حق ہے؟ کیا قانون سازی پارلیمنٹ کے ذریعے ہوگی؟ قانون سازی کے عمل میں علماء اور فقہاء کا کردار کیا ہوگا؟ نفاذ شریعت کیلئے مدارس اور جامعات میں کیا تعلیمی اصلاحات ضروری ہیں؟ کیا جدید قانون اور اس کی تعلیم کو برقرار رکھا جائے گا؟ کیا جدید قانون اور فقہ اسلامی کی تعلیم میں ہم آہنگی ممکن ہے؟ کیا دینی مدارس میں قضاء اور افتاء کا موجودہ نظام تربیت نفاذ شریعت کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے؟

ان سوالات کے علاوہ ایسے ممالک اور معاشروں میں مسلمانوں کو درپیش مسائل بھی زیر غور رہے جہاں مسلمان اکثریت میں نہیں اور جہاں سیکولر نظام حکومت رائج ہے۔ ایسے ممالک اور معاشروں میں نفاذ شریعت سے کیا مراد ہے؟ یہاں یہ سوال بھی اٹھا کہ کیا نفاذ شریعت کے دائرے کو محدود کیا جا سکتا ہے؟ بعض مسلم ممالک میں شریعت عائلی قوانین کی حد تک نافذ ہے۔ نفاذ شریعت کی بعض تحریکیں حدود کے قوانین کے نفاذ کو اولین ترجیح قرار دیتی ہیں۔ بعض کے نزدیک نفاذ شریعت اسلامی ریاست کے قیام کی متقاضی ہے۔

> بعض مسلم ممالک میں شریعت عائلی قوانین کی حد تک نافذ ہے۔ نفاذ شریعت کی بعض تحریکیں حدود کے قوانین کے نفاذ کو اولین ترجیح قرار دیتی ہیں۔ بعض کے نزدیک نفاذ شریعت اسلامی ریاست کے قیام کی متقاضی ہے۔

ان مباحث کے سیاق میں مغربی ممالک میں نفاذ شریعت کے خلاف شدید ردعمل بھی سامنے آیا۔ ذرائع ابلاغ میں اسلام اور اسلامی قانون خصوصاً حدود کی سزاؤں کو زیر بحث کرتے ہوئے بہت سے اندیشوں کا اظہار کیا گیا یہ ردعمل اسلام کے بارے میں بہت سی غلط فہمیوں کا سبب بھی بنا جو اکثر لاعلمی کا نتیجہ ہیں۔ تاہم ان مباحث میں بعض اہم پہلو بھی سامنے آئے جو نفاذ شریعت کے بارے میں عصری تقاضوں کی نشاندہی کرتے ہیں جن کی طرف توجہ نہ دی گئی تو شریعت کے مقاصد پورے نہ ہو سکیں گے۔ اس مضمون میں مختلف ممالک کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے، ان مختلف عصری مباحث کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

## جنوبی افریقہ

جنوبی افریقہ میں مسلمانوں کی آبادی ۲فیصد ہے۔ یہاں ۱۸۸۴ء تک اسلام کے اظہار کی اجازت نہیں تھی۔۱۹۸۰ سے ۱۹۸۴ء تک اس ملک میں نسلی عصبیت کے قانون کی وجہ سے برسراقتدار سفید فام حکمران مسلمانوں کے شادی بیاہ کو قانونی حیثیت دینے سے انکار کرتے رہے۔ اس کی وجہ سے مسلم خواتین اپنے جائز حقوق سے بھی محروم رہیں، ان کی شادیاں غیر قانونی اور بچے ناجائز سمجھے جاتے تھے۔۱۹۸۳ء میں حکومت نے سفید فام اور سیاہ فام کی تقسیم کو مستحکم کرنے کے لیے ایک نئی نسلی تقسیم کو متعارف کرایا جس کے رو سے افریقی سیاہ فاموں اور دیگر سیاہ فاموں مثلاً جنوبی ایشیاء کے ہندوستانی نسل کے لوگوں میں مزید تفریق قائم کی گئی۔ اس تفریق کو قانونی جواز دینے اور اس طرح مسلمانوں کی سیاسی حمایت حاصل کرنے کے لئے سفید فام حکومت نے مسلمانوں کے عائلی قوانین کے اجراء پر رضا مندی کا اظہار کیا۔ تحریک آزادی کے رہنماؤں کے نزدیک جن میں مسلمان بھی شامل تھے سفید فام حکومت کی یہ تجویز خالصتاً سیاسی اغراض پر مبنی تھی۔ تاہم مسلم علماء کی اکثریت نے نفاذ شریعت کی اس تجویز پر حکومت کی حمایت کر دی۔ اس طرح مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے۔ حکومت نے بھی بعد میں ان قوانین کے اجراء میں مزید دلچسپی نہیں دکھائی۔۱۹۹۳ء میں جب نسلی امتیاز کا دور ختم ہونے کو تھا اور جنوبی افریقہ میں عام انتخابات کا اعلان ہو گیا تو علماء نے افریقن نیشنل کانگریس سے رابطے کئے۔ یہ ملک کی اکثریتی سیاسی پارٹی تھی۔ علماء نے اس پارٹی کی تائید کے ساتھ مسلم عائلی قوانین کا ایک ڈرافٹ بل تیار کیا۔ تاہم ترقی پسند مسلمانوں اور تحریک آزادی کے رہنماؤں کے خدشات اور مخالفت کی وجہ سے اس میں مزید پیش رفت رک گئی۔ علماء اور جدید تعلیم یافتہ مسلمان طبقے میں اختلافات بڑھتے گئے۔ آخر کار حکومت کی جانب سے ان قوانین پر غور کے لئے ساؤتھ افریقن لاء کمیشن پروجیکٹ ٹیم مقرر کی گئی۔

۱۹۹۴ء میں عبوری آئین کی منظوری سے ملک میں بنیادی حقوق کا اعلان ہوا تو علماء کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ مسلم عائلی قوانین کو بنیادی حقوق سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ ترقی پسند مسلمانوں نے علماء کی مخالفت کی اور صنفی مساوات کا مطالبہ کیا۔ حکومت نے ۱۹۹۴ء میں مسلم عائلی قوانین بورڈ کے قیام کا اعلان کیا تاکہ وہ ان قوانین کی تدوین کرے۔ اس میں مختلف تنظیموں کو نمائندگی دی گئی جن میں چھ تنظیمیں علماء کی تھیں اور دو ترقی پسند۔ ایک عبوری کمیشن بھی قائم کر دیا گیا۔۱۹۹۵ء میں علماء نے تجویز کردہ ڈرافٹ کو رد کر دیا اور بورڈ سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔۱۹۹۶ء میں ایک نئی کمیٹی نے ان قوانین پر ازسرنو غور شروع کیا۔۲۰۰۳ء میں ایک ڈرافٹ بل تیار ہوا جسے پھر علماء نے رد کر دیا۔ علماء اور ترقی پسندوں کے مابین بنیادی اختلافات کو اس صفحہ پر دیئے گئے تقابلی جدول میں واضح کیا گیا ہے۔

جنوبی افریقہ میں نفاذ شریعت کے مباحث کے تجزیے سے جو مسائل ابھرتے ہیں ان کا تعلق بنیادی طور پر ایک غیر مذہبی ریاست میں نفاذ شریعت کے سوال سے ہے۔ غیر مذہبی ریاستوں میں عام طور پر یورپی قوانین کو اپنانے کا رجحان ہے۔ تاہم فقہ اسلامی کے حوالے سے اصولی مباحث کا تعلق انصاف اور عدل کے تصور سے ہے۔ کیا انصاف اور عدل کا عام طور پر مسلمہ اصول کارفرما ہو گا یا صرف وہ اصول جو فقہ اسلامی نے ترتیب دیئے ہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ قانون کی تعبیر کا حق کسے ہو گا۔ کیا صرف مسلمان اور علماء اس کی تعبیر کر سکتے ہیں؟ علماء کے نزدیک صرف مسلمان قاضی یہ فرائض سرانجام دے سکتے ہیں۔ دوسروں کے نزدیک یہ کام عام عدالتوں کو ہی سونپنا چاہئے۔

## کینیڈا

اسی طرح کے سوالات کینیڈا میں بھی اٹھے جہاں مسلمان کل آبادی کا ایک اعشاریہ پانچ فیصد ہیں۔ کینیڈا میں مختلف زبانیں بولنے والے اور مختلف

### علماء کے مطالبات

۱۔ عائلی قوانین کے لیے قاضی عدالتوں (شریعت کورٹس) کا قیام

۲۔ مسلم عائلی قوانین تمام مسلمانوں پر لاگو ہوں گے

۳۔ نکاح خوان کے لئے صرف مرد علماء کا تقرر کیا جائے گا۔

۴۔ مسلم عائلی قوانین میں آئین کم سے کم دخل انداز ہوگا۔

۵۔ مسلم عائلی قوانین میں ایک فقہی مذہب کی پابندی کی جائے گی۔

### ترقی پسندوں کے مطالبات

۱۔ عائلی قوانین کے لیے سول عدالتیں ہی کام کریں گی۔

۲۔ مسلم عائلی قوانین کا اطلاق اختیاری ہوگا، مسلمان سول قوانین یا عائلی قوانین میں سے کسی ایک کو اختیار کر سکتے ہیں۔

۳۔ مرد اور عورت دونوں نکاح خوان ہو سکتے ہیں۔

۴۔ آئین بالادست ہوگا۔

۵۔ ان قوانین میں کسی مخصوص فقہی مذہب کی پابندی نہیں ہوگی۔ سب فقہی مذاہب یکساں ہیں۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذاہب کے ماننے والے آباد ہیں۔ان اختلافات کی وجہ سے یہاں فرانسیسی اور انگریزی دونوں کو سرکاری زبانوں کا درجہ حاصل ہے۔ان اختلافات کی بنیاد پر ملک میں ثقافتی تنوع کو سرکاری سرپرستی حاصل ہے۔۱۹۹۱ء میں اونٹاریو کے صوبے میں ثالثی کا قانون رائج کیا گیا جس کی رو سے مذہبی بنیادوں پر شخصی

معاملات میں ثالثی کو قانونی درجہ دے دیا گیا۔اس میں خصوصاً یہودی اور عیسائی اداروں کو ثالثی کے حقوق ملے۔۲۰۰۳ء میں ٹورنٹو کے ایک اسلامی مرکز ''اسلامی ادارہ برائے انصاف'' نے اسلامی ثالثی کے لئے اپنی خدمات پیش کر دیں۔اس پر بہت شدید بحث شروع ہوگئی۔۲۰۰۴ء میں حکومت نے ایک کمیٹی کے قیام کا اعلان کیا تاکہ وہ تمام معاملات کا جائزہ لے کر رائے دے۔اس کمیٹی نے شریعت کی بنیاد پر ثالثی کو قانونی درجہ دینے کی تائید کی۔اس پر ملک بھر میں پھر سے بحث کا آغاز ہوا۔سیکولر حلقوں نے شدید احتجاج کیا۔اس احتجاج میں انسانی حقوق اور خواتین کے حقوق کی تنظیموں نے بھی حصہ لیا۔مسلمانوں کی مذہبی تنظیموں نے بھی کھل کر تائید نہیں کی۔چنانچہ ستمبر ۲۰۰۵ء میں اونٹاریو کے وزیراعلیٰ نے مذہبی بنیادوں پر ثالثی کے قانون کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔اب یہودی تنظیموں نے شدید احتجاج کیا کیونکہ ان کے بقول یہودی عدالتیں کامیابی سے یہ فرائض سرانجام دے رہی ہیں۔تاہم اس قانون کی مخالفت اتنی شدید تھی کہ ۲۰۰۶ء میں اس قانون میں ترمیم کر کے مذہبی بنیادوں پر ثالثی کی اجازت ختم کر دی گئی۔

جنوبی افریقہ کی طرح یہاں بھی مذہبی تنظیمیں ثالثی کے اس قانون کے حق میں تھیں کہ اس طرح شریعت اسلامی کو قانونی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور یوں بہت سے عائلی قوانین کو قانونی اعتبار ملنے سے مسلمانوں کے لیے آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔ترقی پسند اور انسانی حقوق کی تنظیموں کو جن میں بہت سے مسلمان بھی شامل تھے یہ اعتراض تھا کہ اس طرح مسلمان ایک اقلیت بن کر رہ جائیں گے انہیں کینیڈا کی مکمل شہریت کے حقوق حاصل نہیں ہوں گے۔مسلمان عورتوں کو جو حقوق او

جائیں گی۔تاہم سب سے بڑا مسئلہ جو سامنے آیا وہ یہ تھا کہ شرعی ثالثی عدالتوں کے لئے اہلیت کا معیار کیا ہوگا؟ جن مذہبی اداروں نے اپنی خدمات پیش کی ہیں کیا وہ اس معیار پر پورے اترتے ہیں؟ کیا وہ کینیڈا کے عدالتی اور قانونی نظام سے واقفیت اور اس میں مہارت رکھتے ہیں؟ کیا اس کی وجہ سے لازمی طور پر مسلمان آبادی خصوصاً خواتین کو غیر معیاری ثالثی کا سامنا تو نہیں ہوگا۔مسلمان ثالثوں کی تربیت کی ضرورت تھی۔لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اس مسئلے پر سنجیدہ غور و فکر کی بجائے ذرائع ابلاغ میں جس بحث کا آغاز ہوا وہ اسلام اور شریعت کے بارے میں منفی اور معاندانہ رنگ لیے ہوئے تھی۔کہیں یہ دعویٰ کیا گیا کہ اسلام عورتوں کے حقوق کا مخالف ہے،شریعت صرف سزاؤں کا نام ہے۔اسلامی ممالک میں عورتوں کی حالت زار کا ذکر رہا۔دوسری طرف مسلم مذہبی تنظیمیں بھی فکری انتشار کا شکار تھیں۔بعض کا کہنا تھا کہ مذہب ذاتی اور انفرادی معاملہ ہے اس میں حکومت کو مداخلت کا اختیار نہیں ملنا چاہئے۔بعض کے نزدیک ملک میں شریعت کا نفاذ مسلمانوں کا حق اور ریاست کی ذمہ داری ہے۔بعض یہ ذمہ داری صرف اسلامی ریاست کو دینے کے حق میں تھے۔ایک طرف انسانی حقوق کے علمبردار تھے اور دوسری طرف شریعت کے حامی۔لیکن دونوں ان مسائل پر غور کے لیے تیار نہیں تھے جن کی وجہ سے عائلی قوانین عورتوں کے حقوق کی حفاظت سے قاصر تھے۔دونوں عائلی قوانین میں تبدیلی کی بات نہیں کر رہے تھے۔ایک طرف سیکولر نظام قوانین کے حامی تھے اور دوسری طرف فقہی مذاہب کے مقلد تھے۔

## برطانیہ

کینیڈا کی طرح برطانیہ میں بھی مسلمان اقلیت میں ہیں تاہم کینیڈا کے مقابلے میں یہاں دو فیصد آبادی مسلمان ہے۔کینیڈا کی طرح برطانیہ میں بھی مسلمانوں کا دیرینہ مطالبہ ہے کہ اسلامی قوانین کو قانونی درجہ دیا جائے۔تاہم یہاں صرف چند معاملات میں اسلامی قوانین کا اعتبار کیا جاتا ہے۔حال ہی میں شریعت کے بارے میں نہایت اہم بحث اس وقت شروع ہوئی جب فروری ۲۰۰۸ میں راون ولیمز آرک بشپ آف کنٹربری نے اپنے ایک خطاب میں قانون کے مذہبی پہلو کی طرف توجہ دلاتے ہوئے یہ کہا کہ عدالتوں میں لوگوں کے مذہبی اعتقادات اور ان پر مبنی قوانین کو ریاستی سطح پر قانون کا درجہ دینے کی ضرورت ہے۔وہ دراصل اس تضاد کی طرف اشارہ کر رہے تھے جب مذہبی قوانین کا اعتبار نہ ہونے کی وجہ سے لوگ مذہب اور قانون میں فرق کرنے لگتے ہیں۔مذہبی ذہن کے لوگ اس تضاد کی بنا پر قانون کا کما حقہ لحاظ نہیں کرتے۔اسی طرح جب عدالتیں مذہبی قوانین کا لحاظ نہیں کرتیں تو وہ یا تو مذہب اور قانون میں تضاد کو قبول کر کے دہری زندگی گزارتے ہیں یا ایسے قانونی حیلے تلاش کرتے ہیں جس سے وہ مروجہ قانون کی پابندی سے بچ جائیں۔حال ہی میں اس کے لیے ''انگریزی شریعت'' کی اصطلاح سامنے آئی ہے جو بظاہر برطانوی قانون کی مبنی ہے لیکن اصل میں وہ برصغیر یا پاکستان میں رائج حنفی مذہب پر مبنی ہے۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آرک بشپ کے بیان کے حق میں کم اور مخالفت میں زیادہ لکھا گیا۔ جولائی ۲۰۰۸ء میں لارڈ فلپس ورتھ مٹ راورس کے چیف جسٹس نے آرک بشپ کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ لوگوں کے مقدمات کے فیصلے کے لیے شریعت اور کامن لاء کے بنیادی اصولوں میں کوئی تضاد نہیں۔ اس لیے برطانوی قانون مسلمانوں کو اپنے مقدمات شریعت کے مطابق طے کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ اس بحث میں عیسائیوں، سیکولر دانشوروں اور حقوق انسانی کے مسلمان رہنماؤں سب نے حصہ لیا۔ اس کی مخالفت پر بہت سے لوگوں نے تعجب کا اظہار کیا کیونکہ آرک بشپ کے بقول عیسائیوں اور یہودیوں کو اپنے معاملات اپنے مذہبی قوانین کے مطابق طے کرنے کا پہلے ہی حق حاصل تھا۔ شخصی قوانین کی یہودی عدالتیں بیت دین کے نام سے عرصہ سے کام کررہی ہیں، اسی طرح عیسائی مذہبی ادارے بھی شادی بیاہ اور دیگر مذہبی معاملات میں عدالتی اختیارات کے تحت کام کررہے ہیں۔ آرک بشپ کے مخالفین میں ایک تو وہ گروہ شامل تھا جو اس بحث سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام کے خلاف معاندانہ تبلیغ میں مصروف ہوگیا۔ دوسرے اس میں وہ لوگ شامل تھے جو قانون کو مذہب اور اخلاقیات سے الگ رکھنے کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک شریعت کو اختیار کرنے سے ریاست کی حاکمیت اور قانون کی بالادستی کمزور ہوتی ہے۔ اس طرح ملک میں قانونی دوئی اور تضاد کو ہوا ملتی ہے۔ لارڈ فلپ نے اپنے بیان میں واضح کیا کہ مذہبی ادارے ملکی قوانین کے ماتحت کام کریں گے۔ اس سے عام عدالتوں کا اختیار بھی کم نہیں ہوگا اور مذہبی شعور کی حفاظت بھی ہوگی مثلاً برطانوی عدالت سے طلاق کی کارروائی مکمل ہونے کے بعد ایک یہودی شخص بیت دین کی طرف رجوع کرکے وہاں سے اس طلاق کی توثیق حاصل کرسکتا ہے۔

## نائیجیریا

سطور بالا میں ہم نے ان ممالک کا ذکر کیا ہے جہاں مسلمانوں کی تعداد دو فیصد یا کم ہے۔ یہاں مسائل کی نوعیت مختلف ہونے کی وجہ سے نفاذ شریعت پر زور شور سے بحث ہوئی۔ ان ممالک میں زیادہ تر گفتگو عائلی قوانین کے حوالے سے رہی۔ حکومتوں کی جانب سے اس رجحان کا اظہار بھی ہوا کہ مسلمان شخصی معاملات اپنے مذہبی قوانین کی بنیاد پر عدالت سے باہر طے کرسکتے ہیں۔ تاہم ایسے ممالک جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں نفاذ شریعت کے مسائل کی نوعیت مختلف تھی۔ یہاں نفاذ شریعت کے ضمن میں حدود قوانین کے نفاذ کو مرکزی اہمیت حاصل رہی۔

دوسرے مسلمان ملکوں کی طرح جب نائیجیریا یورپی نوآبادی بنا تو برصغیر کی طرح یہاں بھی برطانیہ نے ایک نیا نظام قانون نافذ کیا جس میں اسلامی قانون کو شخصی قوانین کی حد تک محدود کردیا گیا۔ برطانوی استعمار سے قبل نائیجیریا کے شمالی علاقوں میں خلافت کا نظام رائج تھا جس میں حدود کے قوانین بھی نافذ تھے۔ ۱۹۰۶ء میں برطانیہ کی حکمرانی میں خلافت کے زمانے کے امیروں کو مذہبی رہنماؤں کا درجہ دے کر ان کے علاقوں میں شخصی قوانین کے لیے مقامی عدالتیں قائم کی گئیں جو مذہبی قوانین اور مقامی رواج کے مطابق فیصلے کرتی تھیں۔ ان قوانین کی ضابطہ بندی کردی گئی۔ مسلمانوں کے معاملات الکالی (قاضی) طے کرتے۔ آہستہ آہستہ ان عدالتوں کے اختیارات محدود ہوتے گئے اور ۱۹۵۹ء میں نائیجیریا میں تعزیرات کا وہی قانون نافذ کردیا گیا جو برصغیر میں تعزیرات ہند کے نام سے ۱۸۶۷ء میں ترتیب دیا گیا تھا۔ اس سے فوجداری قوانین الکالی عدالتوں کے دائرہ اختیار سے خارج ہوگئے۔ نائیجیریا ۱۹۶۰ء میں آزاد ہوا یا اس وقت تک یہی صورت حال تھی۔ آزاد نائیجیریا میں شمالی ریاستوں کے ساتھ جنوب کی ریاستیں بھی شامل ہوئیں جن میں عیسائیوں اور افریقی مذاہب کے پیروکاروں کی اکثریت تھی۔ بحیثیت مجموعی مسلمانوں کی آبادی ۵۷ فیصد تھی۔

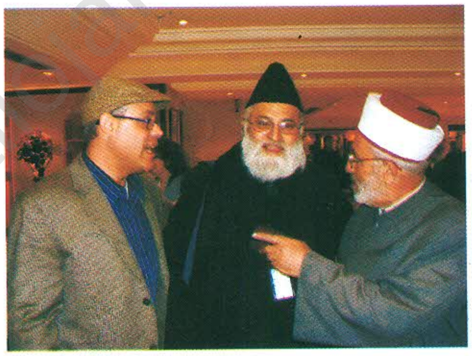

۱۹۶۳ء میں نائیجیریا نے جو آئین اختیار کیا وہ جمہوری تھا۔ لیکن نائیجیریا میں جمہوری نظام بہت کم عرصہ رہا۔ ۱۹۶۶ء میں فوج نے جمہوری حکومت کا تختہ الٹ دیا اور تقریباً تسلسل کے ساتھ ۱۹۷۹ء تک خونریز انقلابات کے ساتھ ایک کے بعد دوسری فوجی حکومت برسر اقتدار رہی۔ کچھ تو شمال اور جنوب کے اختلاف کی وجہ سے اور کچھ شمالی نائیجیریا میں مسلمانوں کی اکثریت کی بناء پر نفاذ شریعت پر بحث ۱۹۶۶ء سے ہی شروع ہوگئی تھی۔ مختلف علاقوں کے حکمرانوں کو جو امیر کہلاتے تھے علماء کی تائید حاصل تھی اور یوں نفاذ شریعت کی بحث جاری رہی۔ ۱۹۷۰ء میں جب مصر، سوڈان اور پاکستان سے بہت سے اساتذہ نائیجیریا آئے تو اخوان المسلمون اور جماعت اسلامی کے افکار کی بھی اشاعت ہوئی۔ ۱۹۷۹ء میں ایران کے انقلاب سے یہاں کے تبدیلی پسند مسلمان طلباء بے حد متاثر ہوئے ۱۹۸۰ء کے بعد کی دہائیوں میں ماتے سینا جیسی کچھ شدت پسند مذہبی تنظیمیں بھی ابھریں جنھوں نے نفاذ شریعت کو اپنے طور پر عملی شکل دینے کی کوشش کرتے ہوئے تشدد اور دہشت گردی کا راستہ اختیار کیا۔ ان دنوں میں شمالی نائیجیریا میں عیسائی تبلیغی کوششوں میں بھی اضافہ ہوا اور ان تنظیموں نے شریعت اور اس کے نفاذ کے خلاف تحریک شروع کردی۔ اس تناظر میں نفاذ شریعت مسلمانوں کے تشخص کا مسئلہ بنتا گیا۔ ۱۹۹۹ء میں زمفارا کی ریاست نے نفاذ شریعت کا اعلان کردیا۔ اس اعلان کا مقصد حدود کی سزاؤں کا اجراء تھا کیونکہ عائلی قانون تو پہلے ہی مالکی فقہ کے مطابق رائج تھے۔ ۲۰۰۰ء میں شمالی نائیجیریا کی بارہ دیگر ریاستوں نے بھی نفاذ شریعت کا اعلان کردیا۔ حدود قوانین کے نفاذ کے ضمن



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بعض افسوسناک واقعات پیش آئے۔ جن سے عالمی سطح پر نفاذ شریعت کو دھچکا پہنچا۔ ان میں سے ایک صفیہ کا واقعہ تھا جسے رجم کی سزا سنائی گئی۔ اس پر دنیا بھر میں احتجاج ہوا تو اس سزا کو واپس لے لیا گیا۔

نائیجیریا میں نفاذ شریعت کے تجربے سے جو باتیں سامنے آئیں ان میں سے ایک تو عدلیہ کی اسلامی قوانین سے عدم واقفیت تھی اس لیے سیاسی دباؤ کے تحت صحیح فیصلے نہیں ہو پائے۔ دوسرے اسلامی فقہی قوانین کی تدوین نو کی بجائے انہیں عدلیہ کی صوابدید پر چھوڑنے سے بہت سے مسائل پیدا ہوئے۔ تیسرے عیسائی شہریوں کی مخالفت کی وجہ سے ملکی سطح پر نفاذ شریعت عیسائی مسلم نزاع کی شکل اختیار کر گیا اور عالمی سطح پر نفاذ شریعت کو حقوق انسانی سے متصادم گردانا گیا۔ ۲۰۰۴ء میں جرمنی اور امریکہ کی جامعات نے ''شریعت ڈیبیٹس'' کے نام سے ایک مطالعاتی پروگرام شروع کیا لیکن اس نے مسلم عیسائی تعلقات میں اور تناؤ پیدا کر دیا۔

نائیجیریا میں نفاذ شریعت کے افریقہ کے دوسرے ممالک پر منفی اثرات غالب رہے۔ گامبیا جہاں مسلمانوں کی آبادی نوے فیصد ہے اس کی واضح مثال ہے۔ ۲۰۰۱ء میں گامبیا کے صدر یحییٰ نے ایک ریڈیو انٹرویو میں سرسری طور پر ملک میں نفاذ شریعت کا ذکر کیا تو فوری طور پر اس کا شدید ردعمل ہوا۔ وکلاء کی تنظیموں نے سب سے پہلے اس کے خلاف مہم چلائی۔ ان کا کہنا تھا کہ شریعت کے نفاذ سے ایک طرف تو موجودہ سیکولر جمہوری نظام اور عدلیہ کو نقصان پہنچے گا اور دوسری جانب اقلیتوں خصوصاً عیسائیوں کے حقوق متاثر ہوں گے۔ حزب اختلاف کے رہنما لامین جوارا نے نفاذ شریعت کے اعلان کو حقوق انسانی کے چارٹر سے متصادم قرار دیا۔ گامبیا کے علماء نے لامین جوارا کے استدلال کو مسترد کرتے ہوئے ملک میں شریعت کے نفاذ کے اعلان کا خیر مقدم کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ مسلمانوں کے اس ملک میں شریعت کا نفاذ دینی فریضہ ہے۔ اس بحث سے گامبیا کے مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ان اختلافات نے بہت شدت اختیار کی تو حکومت کی طرف سے وضاحت پیش کی گئی کہ ذرائع ابلاغ نے صدر یحییٰ کے انٹرویو کو غلط رنگ میں پیش کیا تھا۔ صدر نے نفاذ شریعت کا اعلان نہیں کیا تھا۔ اس وضاحت کے بعد ایک دو ماہ میں نفاذ شریعت کی یہ بحث ختم ہوگئی۔

نفاذ شریعت کے بارے میں مباحث کے مندرجہ بالا جائزے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نفاذ شریعت کے عوامی مطالبے میں شریعت سے مراد عدل و انصاف کا قیام، ظلم کا خاتمہ، قانون کی بالادستی، جدید ریاست کی ہیئت پر عدم اعتماد، مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کی اصلاح اور مراعات یافتہ طبقوں کے استحصال سے رہائی ہے۔ اس کے برعکس مذہبی سیاسی پارٹیوں کے نزدیک نفاذ شریعت سے مراد فقہ اسلامی کا نفاذ ہے۔

فقہ اسلامی کسی ایک مدونہ ضابطے یا قانون کا نام نہیں جو ایک کتاب میں دستیاب ہو۔ فقہ اسلامی کا ذخیرہ سینکڑوں کتابوں [illegible] پر محیط

ہے۔ فقہ اسلامی اپنی ابتداء سے ہی مختلف مذاہب میں بٹ گئی اور ہر مسلمان کے لیے کسی نہ کسی ایک فقہی مذہب کی پابندی کو لازمی قرار دیا گیا۔ یہ پابندی تقلید کے نام سے اٹھارویں صدی تک جاری رہی۔

پاکستان میں جن فقہی مذاہب کی تقلید کی جاتی ہے ان میں حنفی، اثناء عشری اور اسماعیلی شامل ہیں۔ حنفی مذہب امام ابوحنیفہؒ سے منسوب ہے اور اس کے پیروکار بھارت، افغانستان، وسط ایشیاء کے اکثر ممالک اور ترکی میں بھی موجود ہیں۔ اثناء عشری شیعہ یا جعفری فقہ امام جعفر صادقؒ سے منسوب ہے۔ اس فقہ کے پیروکاروں کی اکثریت ایران و عراق میں ہے لیکن بھارت، لبنان اور دوسرے ممالک میں بھی اس فقہ پر عمل کرنے والے موجود ہیں۔ اسماعیلی جو پاکستان میں آغا خانی بھی کہلاتے ہیں اسماعیلی فقہ کے پیروکار ہیں۔ اٹھارویں صدی میں برصغیر میں اصلاحی تحریکوں نے تقلید کے خلاف آواز اٹھائی اور فقہ کی بجائے براہ راست قرآن وسنت پر عمل پر زور دیا۔ پاکستان میں اس مسلک کے پیروکار اہل حدیث سلفیہ کہلاتے ہیں۔ یہ مسلک حنبلی مذہب سے بہت قریب

> **نائیجیریا میں نفاذ شریعت کے افریقہ کے دوسرے ممالک پر منفی اثرات غالب رہے۔ گامبیا جہاں مسلمانوں کی آبادی نوے فیصد ہے، اس کی واضح مثال ہے۔**

ہے جو امام احمد بن حنبلؒ سے منسوب ہے۔ اس مسلک کے پیروکار زیادہ تر سعودی عرب میں ہیں جو محمد بن عبدالوہابؒ اور ابن تیمیہؒ کو امام مانتے ہیں جو تقلید کو بدعت گردانتے تھے۔ ان اصلاحی تحریکوں کے زیر اثر شریعت اور فقہ میں فرق کی بنیاد پڑی۔ چنانچہ نفاذ شریعت کے بارے میں اختلاف پیدا ہوا۔ اصلاحی اور سلفی مسلک کے نزدیک نفاذ شریعت کا مطلب فقہ کی تقلید کی بجائے قرآن وسنت کے احکام کو نافذ کرنا ہے جب کہ فقہی مذاہب کے مقلدین کے نزدیک نفاذ شریعت سے مراد کسی ایک فقہ کا نفاذ ہے۔ پاکستان میں چونکہ حنفی مذہب کے پیروکاروں کی اکثریت ہے اس لیے یہاں نفاذ شریعت سے مراد حنفی فقہ کا نفاذ سمجھا گیا۔

نفاذ شریعت کی مباحث میں دوسرا بڑا سوال شریعت کے دائرہ کار سے ہے۔ عموماً اس سے مراد نکاح وطلاق اور وراثت کے احکام ہیں جنہیں عائلی قوانین بھی کہا جاتا ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک نفاذ شریعت دراصل اسلامی سزاؤں کا نفاذ ہے جنہیں حدود کے قوانین کہا جاتا ہے۔ فقہی کتب میں عبادات، جن میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے احکام، علاوہ دیگر معاملات شامل ہیں جن میں خرید و فروخت اور دیگر معاہدات کے احکام سے بھی بحث کی جاتی ہے۔ اگرچہ فقہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتب میں انتظامی اور آئینی موضوعات پر بہت کم گفتگو کی گئی ہے اور ان موضوعات کے لیے الگ سے کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن دور جدید میں ان موضوعات پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور نفاذ شریعت کی جدید تحریکیں ان موضوعات کو بھی نفاذ شریعت میں شامل سمجھتی ہیں۔

نفاذ شریعت کے باب میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ شریعت کا نفاذ کون کرے؟ کیا صرف اسلامی ریاست اس کا نفاذ کرسکتی ہے یا غیر مسلم اور سیکولر ریاستیں بھی شریعت نافذ کرسکتی ہیں؟ کیا نفاذ شریعت کے لیے آئین، عدلیہ اور مقنّنہ کی ہیئت میں بنیادی تبدیلیاں لازمی ہیں یا موجودہ ہیئت میں بھی ایسا ممکن ہے۔ مزید یہ کہ جو ریاست نفاذ شریعت کا حق رکھتی ہے وہ قانون سازی، تعبیر یا تغیر و تبدل کا بھی حق رکھتی ہے یا نہیں۔ اگر ریاست کو یہ حق نہیں تو یہ فریضہ کون سرانجام دے گا اور کیسے؟ اس سلسلے کا بہت اہم سوال ریاست کے ساتھ ساتھ پارلیمان کے اختیارات کا ہے۔ اختیار کلی کس کے پاس ہے؟ جمہوری ریاست میں پارلیمان عوام کی نمائندہ ہے اور اختیار کلی عوام کے ہاتھ میں ہے۔ بعض مسلم مفکرین کے نزدیک اختیار کلی صرف اللہ کو حاصل ہے۔ اس کی عملی صورت کیا ہوگی؟ کیا عوام اللہ کے اس اختیار کی نمائندگی کر سکتے ہیں جیسا کہ پاکستان کے آئین میں ہے؟ یا اس کی نمائندگی کا حق صرف علماء کو ہے؟ ان سوالات کے واضح حل نہ ہونے کی وجہ سے عوام اور علماء کے درمیان ایک خطرناک دوری پیدا ہوتی جا رہی ہے جس سے جاہ پسند افراد فائدہ اٹھاتے ہیں۔ نفاذ شریعت کی تحریکیں اکثر سنجیدہ لوگوں کی بجائے طالع آزماؤں کے ہاتھوں میں آ جاتی ہیں۔ عوام کی نفاذ شریعت سے جو توقعات ہیں وہ ان طالع آزماؤں کی سوچ سے ہم آہنگ نہیں رہتیں۔ نفاذ شریعت کا مطالبہ جتنا اہم ہے اتنا ہی نازک بھی۔ نفاذ شریعت کے تقاضوں اور مسائل کو خاطر خواہ توجہ نہ دینے کی وجہ سے اس کے محض ایک سیاسی تحریک بن جانے کا خطرہ رہتا ہے۔

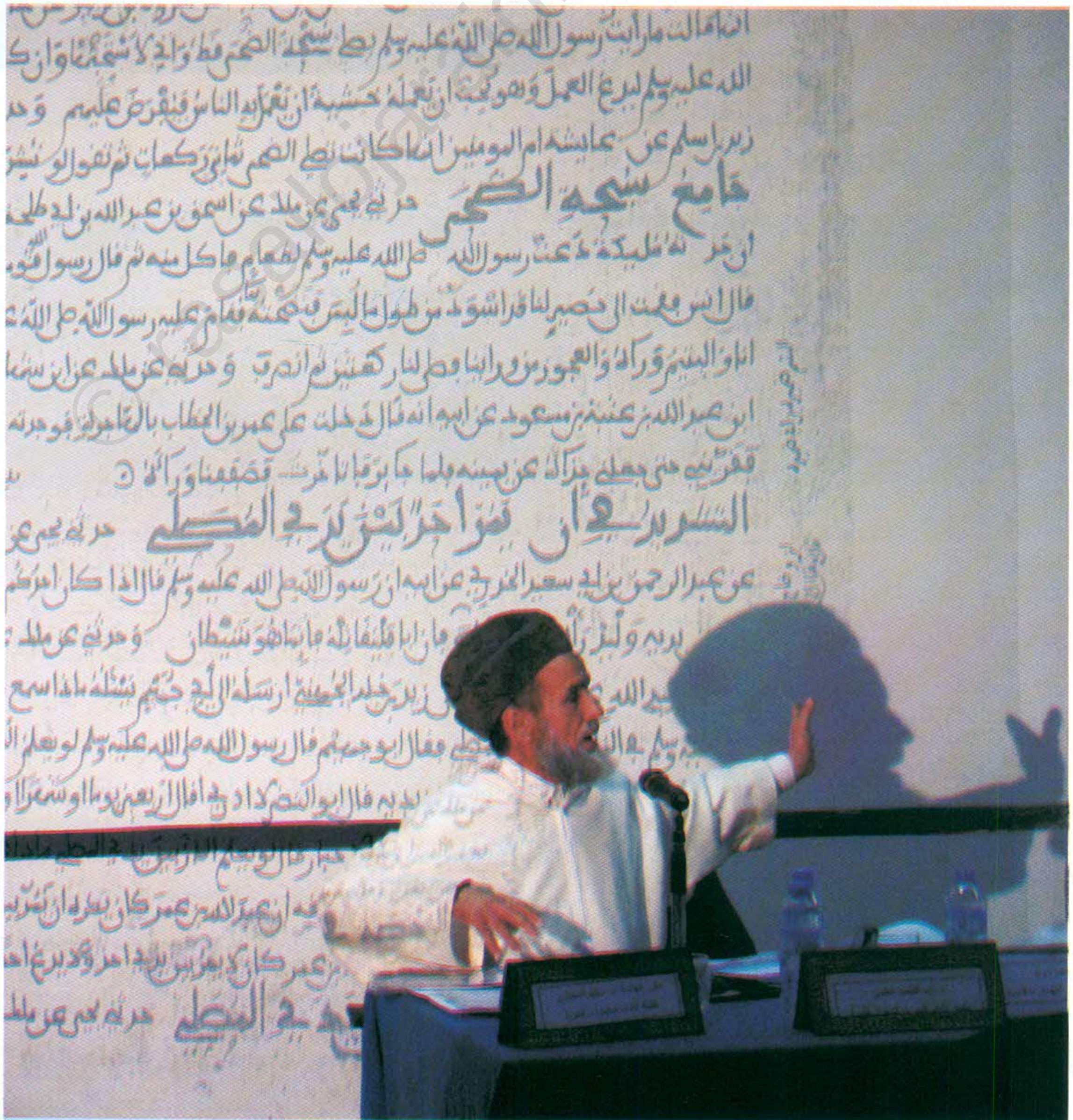



© rasailojaraid.com